ماہنامہ کارواں ادب — جلد 4، شمارہ 11، نومبر 2026ء

ماہی گیر کی بیٹی اور جادوئی سیپی والے موتی کی کہانی

(مصنفہ: نسرین بانو قریشی)

بہت پرانے زمانے کی بات ہے، ساحلِ مرجان آباد پر ایک غریب ماہی گیر اپنی بیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی بیٹی کا نام ثمینہ تھا۔ وہ چودہ برس کی ایک سادہ مگر بہت سمجھ دار لڑکی تھی۔ اس کی ماں بچپن ہی میں فوت ہو چکی تھی، اور باپ کی ساری محبت ثمینہ پر نچھاور ہوتی تھی۔ وہ دونوں ایک چھوٹی سی کشتی میں سمندر پر جاتے اور جو کچھ ملتا، اسی پر گزارا کرتے۔

ایک دن ثمینہ کا باپ جال لے کر گہرے پانی میں گیا تو بہت دیر تک واپس نہ آیا۔ شام ڈھلی، رات ہوئی، مگر وہ نہ لوٹا۔ ثمینہ ساحل پر بیٹھی روتی رہی۔ اگلے دن گاؤں کے لوگوں نے مل کر تلاش کی، تو کشتی الٹی ہوئی ملی، مگر باپ کا کچھ پتا نہ چلا۔ سب نے کہا کہ سمندر نے اسے لے لیا۔ ثمینہ کے پاس اب نہ کوئی سہارا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا۔

گاؤں کے مکھیا نے کہا کہ یتیم لڑکی کو کسی نہ کسی کے گھر رہنا ہوگا۔ یوں ثمینہ کو ایک دور کے رشتے دار کے گھر بھیج دیا گیا، جہاں اسے صبح سے رات تک کام کرنا پڑتا اور بدلے میں صرف روکھی روٹی ملتی۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سہتی رہی، کیونکہ اس کے دل میں ایک خواب زندہ تھا: وہ اپنے باپ کی طرح سمندر میں جائے گی اور اپنی قسمت خود آزمائے گی۔

تین سال گزر گئے۔ ثمینہ اب سترہ برس کی ہو چکی تھی۔ اس نے ایک پرانی کشتی خریدی، اس کی مرمت کی اور ایک دن صبح سویرے اکیلی سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔ لوگوں نے اسے روکا، ڈرایا، مگر وہ رکی نہیں۔ اس کے دل میں ایک ہی ضد تھی: اپنے باپ کی طرح نہیں، بلکہ اس سے آگے جانا۔

پہلے دن اسے صرف چھوٹی مچھلیاں ملیں، جن سے بمشکل گزارا ہوا۔ مگر وہ ہمت نہ ہاری۔ وہ ہر روز پہلے سے کچھ دور، کچھ گہرے پانی میں جاتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس کے جال بھرنے لگے۔ لوگ جو پہلے اس پر ہنستے تھے، اب اس کی عزت کرنے لگے۔ وہ اب ساحل کی سب سے کامیاب ماہی گیر بن چکی تھی۔

ایک دن وہ معمول سے بہت دور نکل گئی۔ وہاں پانی کا رنگ گہرا نیلا تھا اور لہریں خاموش تھیں۔ اچانک اس کا جال کسی بہت بھاری چیز سے الجھ گیا۔ ثمینہ نے پوری طاقت سے جال کھینچا، تو ایک بڑی سی سیپی باہر آئی۔ اس کا خول کھردرا تھا اور اس پر سبز اور سنہری رنگ کی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ ثمینہ نے اسے کھولا تو اندر ایک چمکتا ہوا موتی تھا، جو چاند کی روشنی کی طرح نرم روشنی دے رہا تھا۔

ثمینہ نے وہ موتی بیچ دیا اور اس رقم سے ایک نیا جال، ایک بڑی کشتی اور ایک چھوٹا سا گھر خریدا۔ اس نے اپنی ماں کی یاد میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی بنایا، جہاں وہ اکثر بیٹھ کر سوچتی تھی کہ اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو کیا وہ اس پر فخر کرتی۔ اسے یقین تھا کہ وہ کرتی۔

ثمینہ کی کہانی جلد ہی پورے ساحل پر پھیل گئی۔ لوگ دور دور سے اس سے ملنے آنے لگے۔ کچھ لوگ اس سے موتی خریدنا چاہتے تھے، کچھ صرف اس کی ہمت دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر ثمینہ نے کبھی کسی سے لالچ نہیں کیا۔ وہ ہر سیپی کو احتیاط سے کھولتی، اور اگر موتی نہ ملتا تو بھی مسکرا کر کہتی: “سمندر نے آج مجھے کچھ نہیں دیا، کل شاید دے دے۔” یہی صبر اور شکر اس کی سب سے بڑی دولت تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ ثمینہ کی شادی ایک نیک دل نوجوان سے ہوئی جو خود بھی ماہی گیر تھا۔ اس کا نام یوسف تھا۔ وہ ثمینہ کی طرح محنتی اور سچا تھا۔ دونوں نے مل کر ایک بڑی کشتی بنائی اور اس کا نام رکھا ”موتی کی امید“۔ یوسف اور ثمینہ کے تین بچے ہوئے، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ثمینہ نے اپنے بچوں کو وہی سکھایا جو اس کے باپ نے اسے سکھایا تھا: محنت، صبر، اور سمندر کا احترام۔

ثمینہ کی بیٹی کا نام ماہ نور تھا۔ وہ بالکل اپنی ماں جیسی تھی۔ وہ بھی کم عمری میں ہی کشتی چلانے لگی اور اپنی ماں کے ساتھ گہرے پانی میں جاتی۔ ثمینہ اکثر اسے کہتی: “بیٹی، سمندر سے لو تو اتنا ہی جتنا ضرورت ہو، کیونکہ لالچ کرنے والے کا جال ہمیشہ خالی رہتا ہے۔” ماہ نور نے یہ بات ہمیشہ یاد رکھی۔

ایک بار ایک بڑا تاجر ساحل پر آیا اور ثمینہ کے موتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے کہا کہ وہ شہر میں ایک بڑی دکان کھولے گا اور ثمینہ کے موتی وہاں بیچے گا۔ ثمینہ نے پہلے انکار کر دیا، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ شہر جا کر وہ اپنے ساحل اور اپنے لوگوں سے دور ہو جائے گی۔ مگر یوسف نے سمجھایا کہ یہ موقع ان کے بچوں کے لیے اچھا ہے۔ آخر ثمینہ مان گئی، مگر اس شرط پر کہ وہ ہر سال کچھ مہینے ساحل پر ضرور گزارے گی۔

شہر جا کر ثمینہ کی زندگی بدل گئی۔ اس کے موتی بادشاہ کے دربار تک پہنچے۔ بادشاہ نے اس کی ایمانداری سے متاثر ہو کر اسے ”موتی کی امین“ کا لقب دیا۔ مگر ثمینہ کا دل ہمیشہ سمندر میں ہی لگا رہا۔ وہ اکثر کہتی تھی: “محل کی دیواریں اونچی ہیں، مگر لہروں کی آواز سب سے میٹھی ہے۔”

سال گزرتے گئے۔ ثمینہ کے بال سفید ہو گئے، مگر اس کی آنکھوں کی چمک اور دل کا حوصلہ کم نہ ہوا۔ وہ اپنے پوتے پوتیوں کو بھی وہی کہانی سناتی جو اس کی ماں نے اسے سنائی تھی۔ ہر کہانی کے آخر میں وہ یہی کہتی: “بیٹا، سمندر کبھی کسی کا دشمن نہیں ہوتا، بس وہ سچ کو پہچانتا ہے۔”

ثمینہ کا انتقال ۷۳ برس کی عمر میں ہوا۔ اس کے جنازے میں پورا ساحل امڈ آیا تھا۔ ہر ماہی گیر نے اپنی کشتی کے پاس ایک لمحہ رک کر اس کے لیے دعا کی۔ کہتے ہیں کہ اس دن سمندر کی لہریں بھی کچھ دیر کے لیے تھم گئی تھیں، جیسے وہ بھی اس عظیم ماہی گیر کو الوداع کہہ رہی ہوں۔

ماہ نور کا امتحان

(ساحلی گاؤں کی ایک یتیم لڑکی کی ہمت، صبر اور سچائی کی کہانی)

از: عائشہ رحمٰن طاہرہ

ساحلی گاؤں موجی پور کی ایک یتیم لڑکی ماہ نور کی ہمت، صبر اور سچائی کی کہانی۔

ماہ نور کا امتحان

ماہ نور کا امتحان

ماہ نور کا امتحان